OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

سیرت النبی ﷺ کا روحانی پہلو اور اس کی عصری معنویت

The Spiritual Aspect of the *Sīrah* of The Holy Prophet ﷺ and it's Contemporary Relevance

Paras Nazneen Gillani

Doctoral Candidate, Department of Islamic Thought, History & Culture, Allama Iqbal Open University Islamabad

Dr. Ahmad Raza

Assistant Professor, Department of Islamic Thought, History & Culture, Allama Iqbal Open University Islamabad

Abstract

This study presents a comprehensive exploration of the Seerah of the Holy Prophet Muhammad ﷺ, underscoring its intellectual, moral, spiritual, and civilizational significance. It argues that the Prophet's ﷺ life is not confined to a historical narrative but constitutes a universal paradigm that addresses every sphere of human existence, including ethics, spirituality, social justice, governance, and cultural development. The article highlights that the Seerah embodies timeless principles of justice, compassion, tolerance, and wisdom, offering enduring solutions to modern challenges such as moral decline, social injustice, extremism, and global disharmony. Through an analytical study of key events and teachings, the research illustrates how the Prophetic model provides guidance for building a balanced, harmonious, and progressive society. The paper concludes that a profound engagement with Seerat-un-Nabi ﷺ is essential not only for the moral and spiritual uplift of Muslims but also for the broader

CC BY

well-being of humanity, as it offers a complete framework for establishing peace, justice, and civilizational harmony across time and space.

Keywords: Spirituality, Prophet Muhammad (PBUH), Tazkiyah, Ihsan, Shariah, Tariqah, Companions, Supplications, Islamic Ethics, Moral Development, Contemporary Relevance

تمہید

اللہ تعالی نے اس کائنات میں انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان کو جو ذمہ داریاں سونپی ان میں ایک اہم فریضہ تزکیہ نفس ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے خاتم النبیین بنا کر بھیجا، قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا فریضہ آپ ﷺ کے سپرد کیا۔ کوئی بندہ مومن اللہ تعالی کی معرفت اور رسالت کا فیضان اس وقت تک نہیں پا سکتا, جب تک کہ وہ اپنا روحانی تزکیہ نہ کر لے۔ نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو عملی زندگی میں اختیار کیے بغیر تزکیہ نفس کا حصول ممکن نہیں۔ اس لحاظ سے سیرت النبی ﷺ کا روحانی پہلو نہایت اہم ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی روحانی پاکیزگی، اخلاقی تربیت اور ظاہر و باطن کی اصلاح اور تزکیہ نفس کے لیے جو اقدامات آپ ﷺ نے کیے، اس سے مسلمانوں میں روحانیات کی شمعیں روشن ہوئیں، ان تمام روحانی پاکیزگیوں کا سرچشمہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ آپ ﷺ کی دعائیں اور مناجات بھی روحانیت کا بڑا ذریعہ ہیں۔ تصوف کے وہ سلسلے جو چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ذریعے سے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس تک پہنچتے ہیں، وہ بھی روحانیات سیرت کا ایک اہم باب ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی نیابت و جانشینی دو قسم کی ہے، ایک خلافت ظاہرہ جس میں ظاہری و دنیاوی معاملات زندگی چلانے کے لیے حضور ﷺ کی جانشینی کا انتظام فرمایا گیا، یہ جانشینی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔ دوسری قسم خلافت باطنہ ہے، جو کہ تزکیہ نفس، تعلیم دین اور روحانی تربیت و پاکیزگی کے معاملات میں نبی ﷺ کی جانشینی سے وابستہ ہے۔ اس نیابت و جانشینی میں تمام کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نبی کریم ﷺ کے بلاواسطہ خلفاء ہیں[1]۔

1. بعثت نبوی ﷺ کا بنیادی مقصد

نبوت و رسالت, شریعت اور الہامی کتب کے نزول کا بنیادی مقصد نفوس انسانی کا تزکیہ ہی ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے بعثت نبوی ﷺ کے لیے دعا فرمائی تو اس میں تزکیہ کا ذکر آخر میں ہے: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[2] "اور اے رب، ان لوگوں میں خود انھیں کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیج، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔" ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا جب قبول ہوئی، تو تزکیہ کا ذکر کتاب و حکمت کی تعلیم سے پہلے کیا گیا۔ کلام الہی میں ارشاد ہے: ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾[3] "چنانچہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے، جو تمھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے

۔"سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہے:﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[4] "وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کو پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"لہذا کلام الٰہی کے اسلوب بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بعثت نبوی کا بنیادی مقصد تزکیہ نفس ہے اور اس کے ساتھ دوسری چیزیں یعنی آیات کی تلاوت اور تعلیم کتاب و حکمت کا جو ذکر ہوا وہ اصلی مقصد تک پہنچنے کے وسائل اور ذرائع ہیں۔ ہر شخص کی فلاح اور نجات اخروی کے لیے ضروری شرط تزکیہ نفس ہی ہے، اسی لیے تمام انبیاء کرام کی سرگرمیوں کا بنیادی محور و مقصد تزکیہ نفس ہی تھا۔ نبی کریم ﷺ کی چالیس سالہ دعوتی زندگی پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اخلاق کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور انسانیت کو رزائل اخلاق کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر اخلاق حسنہ کے عروج پر پہنچایا اور ارواح انسانی کو شرف انسانیت کا اوج کمال عطا فرما کر رب کے ساتھ ظاہری اور باطنی طور پر جوڑا۔

تزکیہ کا مفہوم

لسان العرب کے مطابق تزکیہ (مادہ ز، ک، و) کے معنی میل کچیل، گندگی، زنگ وغیرہ سے پاک صاف کرنا، نشو نما دینا اور بڑھا دینا ہیں[5]۔ ارشادات ربانی ہیں:﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (9) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (10)﴾[6] "یقینا فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔ اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا"﴿وَمَنْ تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾[7] "جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے اور پلٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔"لہذا تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی شخصیت ہر قسم کے رزائل و منکرات سے پاک ہو کر اعلی اور ارفع اخلاق حسنہ سے مزین ہو جائے، لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ تزکیہ نفس کوئی انفرادی و ذاتی فعل نہیں ہے بلکہ یہ اصلاح انسانوں کے بیچ میں رہ کر ہی موثر طریقے پر ہو سکتی ہے۔ لہذا تزکیہ نفس پورے معاشرے کی تبدیلی اور اس مقصد کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا نام ہے۔

احسان کی تعریف

لفظِ احسان سے مراد عمدہ و خوبصورت ہونا ہیں۔ امام راغب اصفہانی کے مطابق احسان سے مراد ایسا حسین ہونا ہے جو ہر لحاظ سے عمدہ و پسندیدہ ہو اور اس کا عمدہ ہونا عقل کے معیار پر بھی پورا اترتا ہو۔ دل کو بھلا لگے اور حسی طور پر بھی پرکشش ہو[8]۔ لہذا احسان وہ عمل ہے جس کا ظاہر و باطن مزین ہو اور اس میں کسی بھی قسم کی کراہت و ناپسندیدگی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اسی کا دوسرا قرآنی نام تزکیہ ہے۔ ایک روز جبریل امین علیہ السلام بارگاہ نبوی ﷺ میں انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور امت کی تعلیم کے لیے کچھ سوال عرض کیے۔ جن کے جوابات آپ ﷺ نے ارشاد فرمایے۔ ان کے تیسرے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:(قَالَ: مَا الْإِحْسَانُ ؟ قَالَ : أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)[9] "پھر اس نے احسان کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو (تجھے یہ کیفیت نصیب نہیں اور اسے) نہیں دیکھ رہا تو (کم از کم یہ یقین ہی پیدا کر لے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" امام نووی کے مطابق ایسی حالت میں بندہ اپنی عبادت کو پورے کمال کے ساتھ انجام دیتا ہے اور ظاہری ارکان و آداب کے ساتھ ساتھ باطنی خضوع و خشوع میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا۔ الغرض عبادت و ایمان کی یہی اعلیٰ کیفیت احسان ہے۔[10] حدیث جبریل میں احسان

کی دو حالتوں کا بیان ہے، پہلی حالت مشاہدہ اور دوسری حالت مراقبہ ہے۔ اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا بندہ رب کو دیکھ رہا ہے، جب استغراق کی یہ حالت ہو تو قلب و ذہن پر پڑے حجابات رفع ہو جاتے ہیں اور انسان مقام تجلیات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ احسان کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ عبادت کرے تو اس یقین کے ساتھ کہ للہ تعالیٰ کی ذات اسے دیکھ رہی ہے۔ ہر وقت بندے کے دل و دماغ پر یہ کیفیت طاری رہے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ احساس اس کے عمل میں حسن پیدا کرتا ہے۔ بندگی میں یہ مقام مراقبے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے روحانی معمولات

نبی کریم ﷺ کی شخصیت ہمہ جہت و ہمہ صفت تھی، آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ نوع انسانی کے لئے کامل نمونہ ہے۔ دین کے ظاہری و باطنی پہلو ہوں، شریعت کی تعلیمات و احکامات ہوں یا طریقت و احسان کی بات ہو یہ سب سنت مبارکہ سے ثابت ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ محبت، معرفت و خشیت الٰہی، زہد و ورع، خشوع و خضوع کی اعلیٰ مثالی کیفیات سے معمور و مزین ہے۔ آپ ﷺ راتوں کو کثرت سے اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی نماز تہجد بہت طویل ہوا کرتی تھی، لمبی تلاوت اور طویل رکوع و سجود فرماتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا﴾[11] "بیشک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے، اور بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ راتوں کو اتنی کثیر عبادت کرتے تھے کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بخشش کا وعدہ فرما رکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:(أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا)[12] "کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔" اعلان نبوت سے قبل آپ ﷺ کا غار حرا میں کچھ عرصے کے لیے خلق خدا سے کنارہ کش ہو کر غور و فکر اور عبادت و ریاضت میں محو ہو جانا مجاہدے کی عملی دلیل ہے۔

رمضان میں آپ ﷺ کی عبادت و ریاضت میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ آخری عشرہ میں دوسرے دنوں سے زیادہ مجاہدہ و مشقت فرماتے۔ رمضان المبارک میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر قرآن سنتے اور سناتے تھے۔ اخیر عشرہ رمضان میں اعتکاف کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے۔ روایت ہے:(عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانٍ عَشْرَةَ أَيَّامٍ ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ ، اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا)[13] "رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ لیکن جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا، اس سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا تھا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:(سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ ؟ قَالَ : أَدْوَمُهَا ، وَإِنْ قَلَّ ، وَقَالَ : اكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ)[14] "نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کون سا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے؟ فرمایا کہ جس پر ہمیشگی کی جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی ہو اور فرمایا نیک کام کرنے میں اتنی ہی تکلیف اٹھاؤ جتنی طاقت ہے (جو ہمیشہ نبھ سکے) غزوۂ بدر کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے میدانِ جنگ میں پوری رات ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور اللہ کی مدد طلب کی۔ یہ ذکر و دعا کا عظیم ترین مظاہرہ تھا۔[15] خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ تو آپ جیسے نہیں ہیں۔ آپ کی اللہ پاک نے اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف فرما دی ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے سے کچھ زیادہ عبادت کرنے کا حکم فرمائیے۔ اس پر آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ خفگی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر

ہونے لگی۔ پھر ارشاد فرمایا:(إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللَّهِ أَنَا)[16]"بیشک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اسے جانتا ہوں۔(پس تم مجھ سے بڑھ کر عبادت نہیں کر سکتے)"نبی کریم ﷺ کے قلب کی ایمانی کیفیت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور ساری مخلوقات سے بڑھ کر تھی۔ نماز میں نبی اکرم ﷺ کا رونا اور دعاؤں میں خشیت کا اظہار ثابت ہے، تہجد کی نماز میں اللہ سے مغفرت طلب فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر آپ ﷺ کو کامل توکل تھا۔ ہجرت کے دوران غارِ ثور میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾[17]" غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"زمانہ امن ہو یا حالت جنگ، سفر و حضر ہو یا خلوت و جلوت، نبی کریم ﷺ کے روزمرہ معمولات میں عبادت و ریاضت ،ذکر و مناجات، طویل دعائیں اور رب کے حضور عجز و نیاز ہر چیز بے مثال ملے گی، حضور ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو بھی عبدیت و بندگی سے خالی نہیں۔

نبی کریم ﷺ کی روحانی واخلاقی تعلیمات

نبی کریم ﷺ کی روحانی و اخلاقی تعلیمات میں صبر، شکر اور عاجزی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جنہیں آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں عملی طور پر نافذ کیا۔ حدیث مبارکہ ہے:(وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ)[18](جو شخص صبر اختیار کرے، اللہ اسے صبر عطا کرتا ہے، اور کسی کو صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ نہیں دیا گیا)۔ صبر اور عفو درگزر کی ایک روشن مثال طائف کا واقعہ ہے، جب اہلِ طائف نے نبی کریم ﷺ پر پتھر برسائے، آپ کو شدید تکلیف پہنچائی، لیکن آپ ﷺ نے ان کے لیے بد دعا کرنے کے بجائے دعا کی:(اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ)[19]"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ جانتے نہیں"رب کی شکر گزاری آپ ﷺ کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:(مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللَّهَ)[20]"جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرے گا"سیرت میں شکر گزاری کا بہترین مظاہرہ تہجد کی نماز میں نظر آتا ہے۔ نبی ﷺ کی عاجزی دنیا کے تمام انسانوں کے لیے مثالی نمونہ ہے۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے لیکن فخر و غرور کی بجائے عاجزی سے سر جھکا کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوئے۔[21]

2. صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگی کے روحانی پہلو

اسلامی تاریخ میں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے روحانی پہلو انتہائی نمایاں ہیں، جو اللہ اور رسول اکرم ﷺ سے گہری محبت، کامل اطاعت، صبر و شکر، توکل، کثرت عبادت و ریاضت، خوفِ آخرت، شوقِ جہاد اور خشیتِ الٰہی سے معمور ہیں۔ ان کی زندگیاں احکامات قرآنی اور تعلیمات نبوی ﷺ کا عملی نمونہ تھیں۔ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے آداب محبت سے بخوبی واقف تھے۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ کمال درجہ کے ادب اور تواضع و انکساری کا اظہار کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی اپنے چہروں اور آنکھوں پر مل لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا لعاب دہن زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں اور چہرے پر مل لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے، کائنات کی تمام نعمتوں سے زیادہ آپ ﷺ کی صحبت و محبت انکو محبوب تھی۔ ان کی روحانی زندگی کے چند اہم پہلو حسب ذیل ہیں: صحابہ کرامؓ کی سب سے بڑی روحانی خصوصیت اللہ سے گہری محبت تھی۔ سیدنا بلال حبشیؓ کفار مکہ کی شدید اذیتوں کے باوجود مسلسل "اَحد! اَحد!"(اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) پکارتے رہے۔ ان کی یہ پکار توحید کی علامت بن گئی۔ نماز صحابہؓ کی زندگی کا مرکزی ستون تھی، جس میں ان کا

خشوع و خضوع نمایاں تھا۔ حضرت عمرؓ نماز میں قرآن کی آیات سنتے ہی شدت سے روتے۔ ایک دفعہ سورہ طور کی آیات سن کر وہ رات بھر یہی آیت دہراتے رہے: (اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ)[22] "کہ تمہارے پروردگار کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے" حضرت خباب بن ارتؓ کو انگاروں پر لٹایا گیا، لیکن وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے۔ صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں دے دیا اور کہا: "اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہمارے لیے کافی ہیں[23]۔" صحابہؓ کے دلوں میں کامل توکل کا مظاہرہ غزوۂ خندق کے دوران نظر آیا۔ جب مسلمان بھوک اور سردی کی شدت کے باوجود جانفشانی سے خندق کھود رہے تھے، حالات نہایت سخت تھے، اس وقت بھی صحابہؓ نے کامل یقین اور توکل کے ساتھ نبی ﷺ کا ساتھ دیا۔ خشیت الٰہی صحابہ کرامؓ کی شخصیت کا اہم ترین پہلو تھا۔ حضرت ابو بکرؓ دعا فرمایا کرتے تھے (يَا رَبِّ اجْعَلْنِي شَجَرَةً تُقْطَعُ وَتُؤْكَلُ) "اے رب! مجھے ایک درخت بنادے جو کاٹا جائے اور کھایا جائے"۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: (لَوْ نَادَى مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا رَجُلًا وَاحِدًا، لَظَنَنْتُ أَنِّي أَنَا هُوَ)[24] "اگر قیامت کے دن اعلان ہو کہ تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے ایک شخص کے، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں۔" قحط سالی میں انہوں نے قسم کھائی کہ گوشت، دودھ اور گھی اس وقت تک استعمال نہیں کریں گے جب تک کہ قحط سے پہلے والی زندگی پر لوگ لوٹ نہ آئیں۔ ایک دفعہ گھی مہنگا ہوا تو انہوں نے گھی کھانا چھوڑ دیا۔ ایک دن پیٹ سے گڑ گڑ کی آواز آئی تو فرمایا کہ خاموش رہو جب تک میری رعایا کے سب لوگ گھی نہ کھا سکیں گے، تجھے بھی گھی میسر نہیں ہوگا۔ حضرت عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ یہ سن کر ادھر سے نکل آئے، روتے جاتے اور فرماتے جاتے۔ اے عمر آپ کے بعد لوگ برباد ہو جائیں گے، آپ کے بعد لوگ برباد ہو جائیں گے یعنی آپ جیسا مثالی حکمران کہاں سے لائیں گے[25]۔ مسلسل رونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر دو سیاہ خط بن گئے تھے۔ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے، مشکوک و ممنوعہ چیزوں سے سختی سے اجتناب کیا کرتے تھے، حق کے معاملے پر لوگوں کی ملامت کی ہر گز پرواہ نہیں کرتے تھے، باطل کو مٹانے والے تھے۔ حضرت عثمانؓ اکثر رات بھر قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ یہ قرآن کی محبت تھی کہ شہادت کے وقت بھی قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب کسی قبر پر سے گزرتے تو اتنا روتے تھے کہ ان کی داڑھی بھیگ جاتی تھی۔ حضرت علیؓ کی عبادات میں روحانیت کی انتہا نظر آتی ہے۔ ایک جنگ کے دوران تیر جسم میں پیوست ہوا، جب ان کے جسم سے تیر نکالا جانے لگتا تو انہیں تکلیف ہوتی پھر انہوں نے فرمایا کہ نماز کے دوران تیر نکال لینا کیونکہ نماز میں وہ مکمل طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے، تیر بحالت نماز نکالا گیا اور انہیں درد کا احساس بھی نہیں ہوا۔ یہ خشوع و خضوع کی اعلیٰ مثال ہے۔[26] صحابہ کرامؓ کی زندگی کے یہ روحانیت سے بھرپور پہلو نہ صرف ذاتی عبادات تک محدود تھے بلکہ معاشرتی انصاف، حقوق العباد، اور اللہ کی راہ میں قربانیوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ آج بھی ان کے طرز عمل سے مسلمان روحانی تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔

3. تابعین کرام کی زندگی کے روحانی پہلو

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زیر اثر تابعین میں بھی جملہ روحانی اوصاف اور اصول و ضوابط بدرجہ اتم موجود تھے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو غائبانہ طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف سے خیر التابعین کا لقب عطا ہوا۔ آپ کثرت سے دن کو روزہ اور راتوں کو عبادت کرتے تھے۔ زہد کا یہ حال تھا کہ تمام دنیاوی چیزوں سے بے نیاز تھے۔ گرد آلود بال دیکھ کر بچے پتھر مارتے، مذاق اڑاتے مگر آپ کی کیف و بے خودی میں فرق نہ آتا[27]۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "کچھ لوگ اللہ

کی عبادت خوف سے کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے، کچھ لوگ لالچ سے عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے اور کچھ اللہ کی عبادت شکر کے طور پر کرتے ہیں یہ آزاد بندوں کی عبادت ہے[28]۔" آپ روز ایک ہزار نوافل پڑھتے، اسی زہد اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کو لقب زین العابدین ملا[29]۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زہد وتقوی کا یہ عالم تھا کہ جب مجلس میں آتے تو لگتا کہ کسی عزیز کو دفنا کر آئے ہیں۔ جب بیٹھتے تو لگتا ایسے قیدی ہیں جن کی گردن اڑانے کا حکم دیا جا چکا ہو اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تھے تو لگتا دوزخ صرف انہی کے لئے بنائی گئی ہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: "جس قدر دنیا جمع ہو گی اسی قدر تیرے دل سے آخرت کی فکر نکل جائے گی[30]۔"

4. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی روحانی بنیادیں

روحانیت اور حقیقی باطنی تزکیہ اس وقت تک حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ تعلق کی وہ بنیادیں مضبوط نہ ہو جائیں جن پر قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق استوار کرنے کی تلقین کی ہے، اس تعلق کی چار بنیادیں ہیں۔

1- پہلی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری رسول مان لینا ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات، ہر قول، ہر فعل پر مکمل اعتماد کرنا ہے، چاہے اس کی حکمت ہماری سمجھ سے بالاتر ہی کیوں نہ ہو۔ جو راستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا، اس میں کتنے ہی خطرات کیوں نہ نظر آئیں، اسی کو نجات اور فلاح کا حقیقی راستہ ماننا ہے۔ یہ تسلیم کرنا کہ جو اصول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے وہ عارضی نہیں بلکہ دائمی و ابدی ہیں، معرفت کا جو طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک انسان کے اندر یہ اعتماد پیدا نہ ہو وہ ایمان کی حقیقی لذت نہیں پا سکتا۔

2- دوسری بنیاد کامل اطاعت رسول ہے. ارشاد ربانی ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ [31] "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔" زندگی کا مقصد، محور و منشاء بس یہی رکھنا ہے کہ ہر معاملے، ہر مسئلے میں قرآن و سنت سے رہنمائی لینی ہے۔

3- تعلق کی تیسری بنیاد اتباع ہے, جس کا دائرہ اطاعت سے بھی زیادہ وسیع ہے. اطاعت کے دائرہ کار میں تو صرف اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات آتے ہیں لیکن اتباع کے دائرہ کار میں نوافل اور مستحبات بھی آتے ہیں. اطاعت میں لازم نہیں کہ خلوص اور محبت بھی شامل ہو لیکن اتباع میں عقیدت و احترام کا جذبہ موجود ہونا شرط ہے. صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اتباع بھی کرتے تھے۔ صرف یہ ہی نہیں کہ جس بات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں اس پر عمل کریں اور جس بات سے روکیں اس سے رک جائیں، بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کی تقلید کرتے تھے۔ ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ اس کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سانچے میں ڈھل جائے۔ یہ اتباع کسی جبر و اکراہ کے تحت نہیں تھا بلکہ خالصتاً محبت اور عقیدت پر مبنی تھا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [32] "(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

4- چوتھی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے. جس اطاعت کی بنیاد محبت پر نہ ہو وہ بعض حالات میں محض نفاق پر مبنی ہوتی ہے۔ محبت بھی ایسی مطلوب ہے جو ہر رشتے اور ہر شے کی محبت پر غالب آ جائے۔ جس کے لیے دنیا کی ہر چیز چھوڑی جا سکے لیکن اس کو کسی قیمت پر چھوڑا نہ جا سکے۔ حدیث نبوی ہے: (ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ ، أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا)[33] "تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہو جائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا۔ اول یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں۔"

شریعت اور طریقت کا باہمی تعلق

شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جن کی بجا آوری اور پابندی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائی ہے۔ شریعت حلال و حرام، اوامر و نواہی، فرائض، واجبات، مستحبات، مکروہات، جائز و ناجائز اور سزا و جزا کا ایک مکمل جامع نظام ہے۔ جو انفرادی واجتماعی زندگی کو منظم کرتا ہے۔ طریقت اصل میں شریعت کا باطن ہے۔ شریعت جن اعمال کا تقاضا کرتی ہے ان کو حسن وخوبی اور اخلاص سے سرانجام دینا طریقت اور تصوف ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص ظاہری ارکان و شرائط کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو فرضیت کے اعتبار سے اس کی نماز ادا ہو جائے گی، لیکن باطنی تقاضے تب پورے ہوں گے جب اس کا چہرہ قبلہ رخ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا دل اور روح بھی قبلہ رخ ہو۔ تصوف انہی روحانی کیفیات کو جلا بخشنے کا نام ہے۔ اہل اللہ نے اس مقصد کے لیے جو طریقے وضع کیے وہی طریقت کہلاتے ہیں۔ شریعت کے بغیر طریقت ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔ باطنی علم وہی قابل قبول ہو گا جو علم ظاہر یعنی شریعت کا پابند ہو۔ ظاہر و باطن کا باہمی تعلق لازم وملزوم ہے۔ شریعت کی اتباع کے بغیر باطن بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ علم دین ظاہری ہو یا باطنی سب کا منبع و سرچشمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں۔ حدیث مبارکہ ہے: (وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا.)[34] "جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لیا کرو اور جس سے منع فرمادیں اس سے رک جاؤ"۔ لہذا ایسی طریقت جس میں شریعت کی پیروی نہ ہو وہ باطل اور مردود ہے۔ تصوف اور عقیدے کا آپس میں تعلق جسم اور روح کی طرح ہے۔ عقیدہ بغیر عمل کے ایک بے جان شے ہے۔ عقیدہ و ایمان عمل کے سانچے میں ڈھل کر ایک زندہ قوت بنتا ہے۔ یقین مشاہدے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ یہی درجہ احسان ہے جو تصوف کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اور مناجات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں نہ صرف تقویٰ کی علامت ہیں بلکہ امت کے لیے روحانی تربیت کا ایک ذریعہ بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اللہ کی کبریائی کا اقرار، عاجزی، شکر گزاری، طلب مغفرت، اور امت کی خیر و بھلائی کی دعائیں شامل تھیں۔ ان میں سے چند کا ذکر حسب ذیل ہے:

اہل طائف کی بدسلوکی پر بددعا کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت و ہدایت کی دعا فرمائی: "اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری، اپنی بے بسی اور لوگوں کے سامنے اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تو ہی بے کسوں کا رب ہے، اور تو ہی میرا رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی اجنبی کے حوالے جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آئے، یا کسی دشمن کے حوالے جسے تو نے میرے معاملے کا اختیار دے دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی پروا نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کے واسطے سے، جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو گئیں اور دنیا و آخرت کے امور درست ہو گئے، تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا مجھ سے ناراض ہو۔ تیرے ہی لیے رضا کے حصول تک کوشش کرتا رہوں گا اور کوئی طاقت اور قوت تیرے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی[35]۔" حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی بخشش و مغفرت کے لیے دعا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں طویل قیام

کرتے اور اللہ سے مناجات کرتے۔ایک مشہور دعا ہے:(اللَّہُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا ، وَفِي بَصَرِي نُورًا ، وَفِي سَمْعِي نُورًا ، وَعَنْ يَمِينِي نُورًا ، وَعَنْ يَسَارِي نُورًا ، وَفَوْقِي نُورًا ، وَتَحْتِي نُورًا ، وَأَمَامِي نُورًا ، وَخَلْفِي نُورًا ، وَاجْعَلْ لِي نُورًا)[36]"اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا کر، میری نظر میں نور پیدا کر، میرے کان میں نور پیدا کر، میرے دائیں طرف نور پیدا کر، میرے بائیں طرف نور پیدا کر، میرے اوپر نور پیدا کر، میرے نیچے نور پیدا کر، میرے آگے نور پیدا کر، میرے پیچھے نور پیدا کر اور مجھے نور عطا فرما۔" نبی کریم ﷺ نے روزمرہ کے اعمال کے لیے بھی خاص دعائیں سکھائیں، جو کتب حدیث وسیرت میں مذکور ہیں، یہ دعائیں مسلمانوں کی روحانی تربیت کا ایک اہم زریعہ ہیں۔

ان دعاؤں سے امت کو روحانیت کا درس ملتا ہے، جن پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ سے قریبی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے۔

5. سیرت النبی ﷺ کے روحانی پہلو کی عصری معنویت

موجودہ دور میں انسان مادی ترقی کے باوجود ذہنی دباؤ، بے سکونی، اور اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ سیرت کی روحانی تعلیمات تمام سماجی، اخلاقی اور روحانی بحرانوں کا عملی حل فراہم کرتی ہیں۔ روحانیت صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک پورا نظام حیات ہے جس میں خدا کے ساتھ مضبوط تعلق، اخلاقی پاکیزگی اور خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ سیرت النبی ﷺ کی روحانی تعلیمات صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے راہنما اصول فراہم کرتی ہیں۔ موجودہ صدی میں جمود، مادیت پرستی اور روحانی امراض نے بڑی تیزی سے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے۔ اس لئے تمام شعبہ ہائے زندگی میں افراد کے روحانی استحکام اور قلبی وباطنی تطہیر کیلئے روحانیاتِ سیرت سے رہنمائی ناگزیر ہے۔ جس کے ذریعے انفرادی واجتماعی سطح پر مقاصد واہداف کا بہترین حصول ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ آج کے مادیت پرست دور میں انسان تیز رفتار زندگی کی وجہ سے ذہنی دباؤ اور اضطراب کا شکار ہے۔ نبی کریم ﷺ کی دعائیں اور اللہ پر توکل کی تعلیم ذہنی سکون کا بہترین ذریعہ ہیں۔ دور جدید کے معاشرتی مسائل جیسے نفرت، انتقام اور عدم برداشت کا بہترین حل نبی کریم ﷺ کی زندگی سے ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں صبر، شکر اور عفو درگزر کی اعلیٰ مثالیں موجود ہیں۔ غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے لیے دعا کی۔ یہی رویہ جدید دور کے تنازعات کو حل کرنے کے لیے اشد ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں خدمت خلق اور سماجی بہبود کا عملی نمونہ نظر آتا ہے۔ آج کے دور میں سماجی انصاف اور فلاحی ریاست کے قیام کے لیے نبوی اصولوں کو اپنانا ضروری ہے۔ موجودہ دور کے سیاسی اور سماجی بحرانوں میں نبی اکرم ﷺ کی قیادت کے اصول مشعل راہ ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں ایک مثالی ریاست قائم کی جہاں انصاف، مساوات اور دیانتداری کو فوقیت دی گئی۔ میثاقِ مدینہ انسانی حقوق کے تحفظ کی پہلی تحریری دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ یہ اصول آج کی گورننس اور قیادت کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔ آج کے دور میں ذہنی دباؤ اور اضطراب عام ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی سے ملنے والی عبادات، دعاؤں اور اذکار سے انسان اندرونی سکون حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا:(أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ)[37]"بے شک اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے" کسی بھی صنعتی، تجارتی، سماجی، دفاعی، تعلیمی ادارے و دیگر دفاتر وغیرہ میں پیشہ ورانہ خدمات سر انجام دینے کیلئے روحانی اخلاقیات کا سہارا لینا پڑتا ہے، تاکہ مجموعی کارکردگی میں بہتری لائی جاسکے - روحانیت کا مقصد بھی یہی ہے کہ رہبانیت کو ترک کر کے خود کو معاشرے کے ساتھ جوڑا جائے - کیونکہ انسان معاشرے کے دیگر افراد سے بے نیاز نہیں رہ سکتا اور نہ ہی تن تنہا زندگی بسر کر سکتا۔ حضور ﷺ کی سماجی زندگی اجتماعیت کیلئے روشن مثال ہے - آپ ﷺ نے امیر و

غریب، ادنی و اعلیٰ، اپنوں بیگانوں، یتیموں، بیواؤں اور مظلوموں بلکہ معاشرے کے ہر بے یار و مددگار فرد کو اپنے دامن رحمت میں جگہ دی اور یہی خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کا بھی طرزِ عمل رہا۔ حضور ﷺ ہمیشہ اپنے خادمین کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہو یا غزوہ خندق کے دوران سب کے ساتھ مل کر کام کرنا ہو یہ ٹیم ورک کی بہترین مثالیں ہیں۔ باجماعت نماز کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو سماجی نظم و ضبط اور ترتیب کا اس سے بہتر ادارہ کوئی نہیں ملے گا، اس سے ماحول میں روحانیت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

کسی بھی مذہب پر یقین نہ رکھنے والے لوگ بھی روحانی تفکر کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ روحانی تفکر کا نبوی تصور خود شناسی اور فرد کے روحانی سکون و ترقی کا ضامن ہے۔ غارِ حرا میں قیام اور رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف بھی خلوت و مراقبہ ہی کی ایک قسم ہے۔ دنیا کے جھمیلوں اور تفکرات سے دور تنہائی میں یکسو ہو کر غور و فکر کرنا معرفت خداوندی اور سکون قلب کا باعث بنتا ہے۔ روحانیت ترقی کرتی ہے اور انسان کا ظاہر اس کے باطن کا عملی عکس بن کر انسانیت کو اخلاق حسنہ سے متصف کرنے کا باعث بنتا ہے اور اسے شرف انسانیت کی معراج پر پہنچا دیتا ہے۔

خلاصہ بحث

سیرت النبی ﷺ کا روحانی پہلو انسان کے باطنی تزکیہ اور اخلاقی اصلاح کی بنیاد ہے۔ قرآن و سنت میں تزکیہ نفس، احسان، صبر، شکر، تقویٰ اور خشیتِ الٰہی جیسی روحانی صفات پر زور دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے معمولات میں عبادات، دعا و مناجات اور شب بیداری کا اہتمام نمایاں ہے۔ آپ ﷺ کا ہر عمل امت کے لیے روحانی تربیت کا ایک مثالی عملی نمونہ ہے۔ احسان، جو اللہ کی عبادت کو اس طرح کرنے کا نام ہے جیسے ہم اللہ کو دیکھ رہے ہوں، آپ ﷺ کی زندگی میں کامل طور پر نظر آتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین رحمہم اللہ کی زندگیوں میں بھی روحانیت اور اخلاقی عظمت کا بھرپور عکس دکھائی دیتا ہے۔ ان کے دلوں میں اللہ کی محبت، تقویٰ، عاجزی، اور قربانی کا جذبہ ہر لحظہ موجزن تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انفاقِ مال، حضرت عمرؓ کا عدل و انصاف، حضرت علیؓ کا علم و حکمت اور حضرت عثمانؓ کی سخاوت ان کی روحانی تربیت کی عملی مثالیں ہیں۔ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کا قرب حاصل کر کے روحانی ترقی کی اعلیٰ منازل طے کیں اور دنیا کے لیے مثالی کردار بنے۔ شریعت اور طریقت کا باہمی تعلق بھی سیرت کے روحانی پہلو کا اہم حصہ ہے۔ شریعت ظاہری قوانین اور طریقت باطنی پاکیزگی کا نام ہے، اور دونوں مل کر انسان کو ایک مکمل روحانی شخصیت کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی دعائیں اور مناجات جیسے غزوۂ بدر کی دعا، طائف کی آزمائش میں التجا، اور تہجد کی راتوں میں کی گئی دعائیں اللہ سے گہرے روحانی تعلق کی تعلیم دیتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں سیرت کے ان روحانی پہلوؤں کو اپنانا فرد اور معاشرے کی روحانی، اخلاقی اور سماجی اصلاح کے لیے ناگزیر ہے۔

References

[1]Ghāzī, Dr. Maḥmūd Aḥmad, *Muḥāḍarāt Sīrat* (Lahore: Al-Faisal Nashirān wa Tājarān Kutub Urdu Bazar, 3rd ed., 1430 AH/2009 CE), 92–93.
[2]Sūrat al-Baqara, 2:129.
[3]Sūrat al-Baqara, 2:151.
[4]Sūrat al-Jumu'a, 62:2.
[5]Ibn Manẓūr Anṣārī, Jamāl al-Dīn, *Lisān al-'Arab* (Beirut: Dār al-Aqṣā, 1412 AH/1991 CE), 245.

[6]Sūrat al-Shams, 91:9–10.
[7]Sūrat Fāṭir, 35:18.
[8]Iṣfahānī, Imām Rāghib, *Mufradāt al-Qur'ān* (Lahore: Al-Maktaba al-Qāsimiyya, 1383 AH/1963 CE), 119.
[9]Al-Bukhārī, Abū 'Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā'īl, *Al-Ṣaḥīḥ*, trans. Ḥāfiẓ 'Abd al-Sattār Ḥammād (Lahore: Dār al-Salām, n.d.), 34, Kitāb al-Īmān, Bāb Bayān al-Īmān wa al-Islām wa al-Iḥsān wa Wujūb al-Īmān, ḥadīth no. 50.
[10]Al-Nawawī, Abū Zakariyyā Yaḥyā ibn Sharaf, *Al-Minhāj fī Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim* (Beirut: Dār Ibn Ḥazm, 1433 AH/2012 CE), Kitāb al-Īmān, Bāb Su'āl Jibrīl al-Nabī Ṣallā Allāh 'alayhi wa Ālihi wa Sallam 'an al-Īmān wa al-Islām wa al-Iḥsān, 1:27.
[11]Sūrat al-Muzzammil, 73:6.
[12]Al-Bukhārī, *Al-Ṣaḥīḥ,* 207, Kitāb al-Tahajjud, Bāb Qiyām al-Nabī Ṣallā Allāh 'alayhi wa Ālihi wa Sallam Ḥattā Tarima Qadamāhu, ḥadīth no. 1130.
[13]Al-Bukhārī, *Al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-I'tikāf, Bāb al-I'tikāf fī al-'Ashr al-Awsaṭ min Ramaḍān, ḥadīth no. 2044.
[14]Al-Bukhārī, *Al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Riqāq, Bāb al-Qaṣd wa al-Mudāwama 'alā al-'Amal, ḥadīth no. 6465.
[15]Mubarakpūrī, Ṣafī al-Raḥmān, *Al-Raḥīq al-Makhtūm* (Riyadh: Maktaba Dār al-Salām, 1417 AH/1996 CE), 234.
[16]Al-Bukhārī, *Al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Īmān, Bāb Qawl al-Nabī Ṣallā Allāh 'alayhi wa Sallam: Anā A'lamukum bi-Allāh, ḥadīth no. 20.
[17]Sūrat al-Tawba, 9:40.
[18]Al-Bukhārī, *Al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Zakāt, Bāb al-Isti'fāf 'an al-Mas'ala, ḥadīth no. 1469.
[19]Ṣafī al-Raḥmān Mubarakpūrī, *Al-Raḥīq al-Makhtūm*, 192.
[20]Al-Tirmidhī, Abū 'Īsā Muḥammad ibn 'Īsā, *Al-Sunan* (Beirut: Dār al-Gharb al-Islāmī, 1419 AH/1998 CE), Abwāb al-Birr wa al-Ṣila, Bāb Mā Jā'a fī al-Shukr li-man Aḥsana Ilayk, ḥadīth no. 1954.
[21]Ibn Hishām, Abū Muḥammad 'Abd al-Malik, *Al-Sīra al-Nabawiyya* (Cairo: Dār al-Ma'ārif, 1375 AH/1955 CE), 4:342.
[22]Sūrat al-Ṭūr, 52:7.
[23]Ibn Kathīr, 'Imād al-Dīn Abū al-Fidā' Ismā'īl ibn 'Umar, *Al-Bidāya wa al-Nihāya* (Cairo: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), 3:92.
[24]Ibn al-Jawzī, Abū al-Faraj 'Abd al-Raḥmān, *Ṣifat al-Ṣafwa* (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyya, n.d.), 1:220.
[25]Ibn al-Jawzī, Abū al-Faraj 'Abd al-Raḥmān, *Manāqib Amīr al-Mu'minīn Ḥaḍrat 'Umar ibn al-Khaṭṭāb Raḍiyallāh 'anhu,* trans. Muḥammad Ṭāriq Qādirī Na'īmī (Lahore: Shākir Publications, 1435 AH/2014 CE), 101.
[26]Ibn 'Asākir, Abū al-Qāsim 'Alī ibn Ḥasan, *Tārīkh Dimashq* (Beirut: Dār al-Fikr, n.d.), 42:207.
[27]'Aṭṭār, Farīd al-Dīn, *Tadhkirat al-Awliyā'* (Lahore: Al-Fārūq Book Foundation, 1418 AH/1997 CE), 11–12.
[28]Abū al-Faraj Ibn al-Jawzī, *Ṣifat al-Ṣafwa*, 67.
[29]Ibn al-Jawzī, *Ṣifat al-Ṣafwa*, 71.
[30]Al-Ghazālī, Imām Muḥammad, *Mukāshafat al-Qulūb* (Lahore: Maktaba Islāmiyya, n.d.), 238.
[31]Sūrat Muḥammad, 47:33.

[32]Sūrat Āl ʻImrān, 3:31.
[33]Al-Bukhārī, *Al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Īmān, Bāb Ḥalāwat al-Īmān, ḥadīth no. 16.
[34]Sūrat al-Ḥashr, 59:7.
[35] Abū Muḥammad ʻAbd al-Malik Ibn Hishām, *Al-Sīra al-Nabawiyya*, 2:180.
[36]Al-Bukhārī, *Al-Ṣaḥīḥ,* Kitāb al-Daʻawāt, Bāb al-Duʻā' idhā Intabaha bi-al-Layl, ḥadīth no. 6316.
[37]Sūrat al-Raʻd, 13:28.